صدارتی انتخاب: محترمہ فاطمہ جناح بمقابلہ ایوب خان،

خان عبدالولی خان کی زبانی

۲۷ جنوری، ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخاب میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کا مقابلہ محترمہ فاطمہ جناح نے کیا۔ محترمہ اس الیکشن میں حصہ لینے کے لیے کس طرح تیار ہوئیں اور ولی خاں اور نیشنل عوامی پارٹی نے صوبہ سرحد میں کیسے فاطمہ جناح کی الیکشن مہم چلائی۔ (خان عبدالولی خان، **باچا خان اور خدائی خدمتگار** جلد دوم، پشاور، ولی باغ چارسدہ، ۱۹۹۴ء، ص ۳۸۸۔۴۱۸)

حکومتی ادارے مطمئن تھے کہ ملک کے اندرونی حالات سازگار ہیں۔ قوم لوٹ مار میں شریک ہے اور اس لیے خوش ہے۔ اخبارات اور ریڈیو حکومت کے مطیع و فرمانبردار اور سیاسی پارٹیاں معطل اور کمزور ہیں۔ ایک ہی آواز سنائی دیتی ہے اور وہ درباریوں، وزیروں، خوشامدیوں اور حکومتی ڈھنڈورچیوں کی آواز ہے اور وہ آواز یہ ہے کہ اگر دنیا بھر میں کوئی کام کا آدمی ہے وہ یہی ایوب خان ہے۔ تعلیم یافتہ لوگ کب کسی سے پیچھے رہ سکتے تھے۔ انہوں نے ایوب خان کو پاکستان کے ڈیگال کا خطاب دیا۔[1] جملہ حساب کتاب اور سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ صدارتی انتخاب کے لیے حالات سازگار ہیں کیونکہ قوم کا وجود تو معنی نہیں رکھتا کیونکہ فیصلہ تو بنیادی جمہوریت کے اسی ہزار اراکین کے ہاتھ میں ہے۔ ان کو قابو میں رکھنا کوئی مشکل کام ہرگز نہیں ہے۔ ایک طرف تو ملکی دولت کے مالک وہ صنعت کار، کارخانہ دار اور دوسرے مالدار طبقات ہیں جو ایوب خان کی بدولت اس مقام تک پہنچے ہیں اور دوسری بات یہ کہ امارت صرف تئیس (۲۳) خاندانوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ ان مالداروں سے الیکشن کے لیے رقوم کی وصولی کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو خود بخود بغیر کسی مطالبے کے بہت خوشی کے ساتھ عطیات پیش کر دیں گے۔ اس لیے بی ڈی ممبران کی اکثریت کو خریدا جا سکتا ہے اور چونکہ سیاسی پارٹیوں پر پابندی تھی اس لیے بنیادی جمہوریت میں بھی ان

---

۱ جنرل ڈیگال فرانس کے وہ رہنما تھے جنہوں نے دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمنی کا مقابلہ کیا تھا، فرانس کو آزادی دلانے کے لیے برطانیہ میں مقیم ہو گئے تھے اور وہاں سے جب اتحادیوں کی حمایت سے فرانس کو جرمنی نے آزاد کر دیا تو صدر مملکت کی حیثیت سے جنگ کی تباہ کاریوں سے برباد شدہ اور کمزور ٹوٹے فرانس کو اپنے پیروں پر کھڑا کر دیا، اقتصادی طور سے ملک کو بحال کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں فرانس کو دوبارہ مہذب و ترقی یافتہ قوموں کی صف میں کھڑا ہونے کے قابل بنایا

مالدار لوگوں، سرکاری ملازمین اور تعلق داروں نے ہی حصہ لیا تھا اور وہ ایک فیلڈ مارشل صدر کی مرضی کے خلاف کس طرح جاسکتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک اور اہم نکتہ یہ قابل ذکر ہے کہ فیلڈ مارشل کی اپنی سیاسی پارٹی ''کنونشن مسلم لیگ'' میں ایسے ایسے ماہر استاد موجود تھے کہ الیکشن میں دھوکہ، فریب، بے ایمانی اور چالبازی کے گر دنیا ان سے سیکھتی تھی۔ اور اگر یہ تمام چیزیں مل کر بھی اس کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی تھی تو کیا ایک فیلڈ مارشل جو خود صاحب اختیار ہو اور وہ الیکشن لڑنے کا فیصلہ بھی کرے تو ملک کے سرکاری ملازمین بھلا اتنے بے کار اور بے اثر ہو سکتے تھے کہ وہ اپنا فیلڈ مارشل بھی الیکشن میں کامیاب نہیں کرا سکیں گے۔ ان جملہ خوشامدیوں اور درباریوں میں بھی سب سے زیادہ تند و تیز اور آگے آگے ذوالفقار علی بھٹو تھے جس کو فیلڈ مارشل صاحب نے ۱۹۶۳ء میں وزیر خارجہ مقرر کیا تھا وہ فیلڈ مارشل کی تعریف میں لکھتے ہیں:

More than a Lincoln... more than a Lenin. an Ata turk & above all a Salahuddin, for life ... The great Ghazi of Islam.

ترجمہ: ہمارے لیے لنکن سے زیادہ ہے۔۔۔لینن سے برتر ہے ایک اتا ترک اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے مانند اسلام کا غازی ہے۔

اور جب ووٹ دینے کا حق بھی چند ایک افراد کو حاصل ہو۔ لہذا اعلان کیا گیا کہ ملک میں صدارتی انتخاب ہوگا اور قوم کے منتخب شدہ ممبران بنیادی جمہوریت صدر کے چناؤ کے لیے ووٹ دیں گے۔

حسب معمول ''خیر مقدم خان'' نے ان کے گلوں کو مرغن کر دیا۔ فیلڈ مارشل کی جمہوریت نوازی اور عوام دوستی کے قصیدے سناتے جا رہے تھے۔ ضمیر فروش کارکنوں، قلم فروش اخبار والوں اور ریڈیو اور سرکاری ملازمین نے ملک میں ایک ناٹک بنا دیا۔ ہر ایک خوشامد کرنے میں دوسرے سے پہل کرنے لگا۔ بنیادی جمہوریت کے ممبروں کی قسمت جاگ اٹھی۔ سرکار نے بھی ان کو توجہ دینا شروع کیا۔ سرکاری مسلم لیگ بھی چست اور متحرک ہوگئی۔ دعوتوں کا اہتمام ہونے لگا اور خود غرض لیگیوں نے پرانے اور فراموش شدہ فاتحے پڑھنا شروع کیے۔ مختصر یہ کہ حکومت کی طرف سے رابطے کی مہم زور اور شور سے شروع کی گئی۔

ان دنوں سرکاری اہل کاروں نے میرے ساتھ روابط پیدا کیے۔ پہلے پہل انہوں نے مجھے وزارت کی پیش کش کی۔ میں نے اپنی مجبوری سے ان کو آگاہ کر دیا کہ میں کم عمر ہوں اور دوسری بات یہ کہ جب سے میرے چچا ڈاکٹر خان صاحب ون یونٹ کے وزیر اعلیٰ بنے ہیں اس وقت سے پارٹی اور خاندان کے اندر حالات خراب ہوگئے ہیں اور باچا خان اس صورت حال پر ناراض اور مایوس ہیں اور میں کسی قیمت پر ان کو ناراض نہیں کر سکتا۔ اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو ہوئی۔ پھر پیش کش دی گئی کہ آپ کو سفیر بنا دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ اس ملک کی خدمت کرنا آپ کی بھی ذمہ داری اور فرض ہے۔ میں نے معذرت کی۔

اس کے بعد یہ ناقابل قبول پیش کش ہوئی۔ ان دنوں اس صوبے کے ایک بڑے افسر عطا اللہ جان خان فیلڈ مارشل صاحب کو بہت عزیز تھے۔ ان کا تعلق وزارت داخلہ کے ساتھ تھا اور ہمارے یحییٰ خان کے بڑے قریبی ساتھی تھے۔ ایک دن وہ دونوں میرے گاؤں میں میرے پاس آئے۔ چائے پینے کے بعد عطا اللہ جان خان نے کہا کہ میں ولی کے ساتھ اکیلے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس تجویز کی مزاحمت کی۔ میں نے اس کو کہا کہ یحییٰ خان لالا سے میری کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے مگر یحییٰ خان لالا وہاں سے اٹھ گئے تو عطا اللہ خان نے پرانے ٹپے اور چار بیتہ (پشتو لوک گیت) کی گردان شروع کی۔ اس نے کہا کہ ظالموں سے اس ملک کو آپ لوگوں نے آزادی دلا دی۔ آپ لوگوں نے قربانیاں دیں، فرنگی کو آپ نے نکل جانے پر مجبور کر دیا مگر فوائد دوسرے لوگوں کو مل رہے ہیں۔ چلئے فائدوں کی بات نہیں کرتے۔ آپ لوگ تو تمام جدوجہد لوگوں کی بھلائی کے لیے کر رہے ہیں تا کہ اس غریب قوم کی بھوک ختم ہو اور ان کے تن پر کپڑا ہو۔ تو کیا ان لوگوں کی خدمت کرنا آپ اپنا فرض اور ذمہ داری نہیں سمجھتے؟ اس نے کہا کہ وزارت میں آپ دلچسپی نہیں رکھتے۔ سفارت کے لیے بھی آپ تیار نہیں ہیں۔ چلئے آپ کی مجبوریوں کا ہم احساس کر لیتے ہیں۔ کم سے کم ملک کی خوشی کے لیے تو کام کریں۔ میں نے پوچھا کہ وہ کس طرح؟ اس نے کہا کہ میں ایک پیش کش آپ کے لیے لایا ہوں (مجھے پوری طرح یاد نہیں پڑتا کہ انہوں نے واپڈا یا پی آئی ڈی سی) کا نام لیا کہ یہ ادارے کئی ایک تعمیری منصوبے رکھتے ہیں مگر افسروں کی بد دیانتی اور رشوتوں کی وجہ سے ان منصوبوں کے فوائد عوام تک نہیں پہنچ رہے ہیں اس لیے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے اور حکومت نے مجھ کو آپ کے پاس اس غرض کے لیے بھیجا ہے کہ اس محکمے کا مکمل اختیار آپ کو سونپ دیا جائے۔ میں نے جواب میں کہا کہ یہ تو ایک ٹیکنیکل اور فنی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کو میں کس طرح انجام دے سکتا ہوں؟ اس نے کہا اس بارے میں آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے یہ ہمارا کام ہے۔

اس نے مزید کہا کہ ہم آپ کو فنی ماہرین دیں گے۔ آپ کو مکمل کنٹرول حاصل ہوگا۔ اس نے ایک بڑی تنخواہ اور دیگر مراعات کا بھی ذکر کیا۔ میں نے پھر معذرت کی تو انہوں نے آخرکار مجھے کہا اے پاگل! معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ حالات سے قطعی بے خبر ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ محکمہ ملک کے اندر کروڑوں روپے کے کام کرتا ہے وہ تو اپنی جگہ ہے۔ اس کے علاوہ تقریباً بیس سے چالیس کروڑ روپے کی خریداری باہر ملکوں سے بیرونی کرنسی میں کرتا ہے۔ اگر آپ جیسا دیانتدار شخص ایک پیسہ کی بھی بد دیانتی نہ کرے تو بیرونی کمپنیاں تو دس فیصد کمیشن دے ہی دیتی ہیں جو نہ رشوت ہے اور نہ ہی بد دیانتی۔ وہ تو ایک معمول کی شے ہے جیسے ماں کا دودھ۔ اس نے اپنی پیش کش کو دل کش بناتے ہوئے مزید کہا کہ یہ خریداریاں چار ملکوں سے کی جاتی ہیں۔ امریکہ، برطانیہ، جرمنی اور جاپان۔ اس نے کہا کہ آپ کی تقرری کے کاغذات میں اپنے بریف کیس میں لایا ہوں۔ ابھی ابھی اور اسی وقت آپ کے ساتھ پانچ سال کا معاہدہ

کر لیتا ہوں اور آپ آ کر اپنا عہدہ سنبھال لیں اور اس کے ساتھ مسکرائے اور کہا کہ ظالم انسان معاہدے کی مدت پوری ہونے تک، پانچ سال کے عرصہ میں باہر کے ممالک میں کم وبیش بیرونی زرمبادلہ میں آپ کے پندرہ کروڑ روپے جمع ہو چکے ہوں گے اور یہ خارجہ سکہ بھی ڈالروں، پونڈوں، جرمنی مارک اور جاپانی ین کی شکل میں ہوگا۔ اگر پھر آپ اس ملک میں رہنا نہ بھی چاہیں تو ایک بادشاہ کی طرح زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ میں اس کی اس بات پر ہنسا۔ میں نے کہا کہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ کس مقدار اور رفتار سے اس ملک کی دولت کو لوٹا جا رہا ہے کہ میرے اس گاؤں تک بھی کروڑوں روپے کی گنجائش پہنچ گئی ہے۔ عطا اللہ خان میری بات سن کر بہت ناراض ہوئے اور مایوس لوٹ گئے۔ میں نے ایسا محسوس کیا جیسے اس نے فیلڈ مارشل صاحب کو مکمل یقین دہانی دی تھی کہ ہر قیمت پر مجھ کو راضی کر لیا جائے گا۔

دوسری طرف حکومتی پابندیوں کی وجہ سے ملک کی سیاسی جماعتیں بے سروسامانی کی حالت سے دوچار تھیں۔ ان جماعتوں کا اپنی اپنی تنظیموں سے رابطہ نہیں تھا۔ ان حالات میں انتخابات میں حصہ لینا مشکل نہیں بلکہ ایک ناممکن کام تھا تاہم سیاسی پارٹیوں میں بیداری آئی اور اپنے اپنے چہرے دکھانا شروع کیے۔ دیگر پارٹیوں کو تو ابتدا ہی سے مسلم لیگ کی حکومت نے کام نہیں کرنے دیا تھا۔ یہ تنظیمیں مسلم لیگ کی پیٹ سے نکلی تھیں مگر ان تنظیموں میں ایک تنظیم بھی ملک کی بنیاد پر انتخابات میں حصہ لینے کے قابل نہیں تھی اور یوں ان تنظیموں کے مابین مشورے شروع ہوئے اور مختلف سیاسی پارٹیوں کے لیڈر اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک تمام سیاسی تنظیمیں ایک متحدہ محاذ تشکیل نہ دیں اس وقت تک کامیابی کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ اس سلسلے میں مشرقی پاکستان میں جگتو فرنٹ کی مثال ان کے سامنے تھی۔ یہ محاذ ۱۹۵۴ء کے صوبائی انتخابات میں مسلم لیگ کے خلاف بنایا گیا تھا اور وہاں سے مسلم لیگ کا جنازہ نکالا تھا چنانچہ ایک ایسا محاذ بنانے پر سنجیدہ غور شروع ہوا۔ مسلم لیگ دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ اس میں ایک گروپ کنونشن مسلم لیگ کی شکل میں سرکار کا تابعدار تھا مگر ایک مضبوط حصہ باہر بھی تھا جو اپنے آپ کو کونسل مسلم لیگ کے نام سے یاد کرتا تھا۔ چونکہ مسلم لیگ کی مرکزی کونسل کے ممبران کی اکثریت اس کے ساتھ تھی چنانچہ اس مسلم لیگ کے لیڈر خواجہ ناظم الدین کی سربراہی میں، نواب زادہ نصر اللہ خان، چودھری محمد علی (سابق وزیر اعظم) اور نیشنل عوامی پارٹی نے مولانا عبدالحمید بھاشانی کی سربراہی میں ایک متحدہ محاذ بنایا۔

ہمارے ملک کی بدقسمتی یہ ہے کہ چونکہ سیاست پر روز اول سے پابندی تھی اس لیے سیاسی اور جمہوری عمل کو کسی نے آگے بڑھنے نہیں دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لیڈر تو ہیں مگر چونکہ قوم کے ساتھ رابطے کی کسی نے ان کو اجازت نہیں دی ہے تو سیاسی حرکت بن رہتی ہے جس کے نتیجہ میں اماموں کی تعداد میں اضافہ تو ہو جاتا ہے اور مقتدیوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔

فاطمہ جناح بطور صدارتی امیدوار

جب متحدہ محاذ کے نام سے یہ جماعتیں متحد ہو گئیں تو بنیادی مسئلہ یہ درپیش ہوا کہ ایک ایسے صدارتی امیدوار کو ڈھونڈا جائے جس پر سب سے اول محاذ میں شامل لیڈروں کا اعتماد اور اتفاق ہو اور دوسری بات یہ کہ وہ اتنا مقبول ہو کہ فیلڈ مارشل کا مقابلہ کر سکے۔ اس سلسلے میں مختلف پارٹیوں کے مختلف راہنماؤں کے نام تجویز ہونے لگے۔ قائداعظم کی سگی بہن فاطمہ جناح کا نام بھی لیا گیا مگر اس نے کہا کہ اس قوم پر میرا اعتماد نہیں ہے اور خاص طور سے اس تنظیم میں شامل راہنماؤں پر مجھے اعتماد نہیں ہے اور یوں وہ تیار نہیں ہوئیں۔ بھاشانی صاحب کی صدارت میں نیشنل عوامی پارٹی کی مرکزی جرگے کا اجلاس ہمارے شاہی باغ میں ہو رہا تھا۔ میں نے اجلاس کے دوران اپنے ساتھیوں سے مذاق میں کہا کہ ہمارے پڑوس میں ایک گاؤں میں لوگ اپنے ایک پپو نامی ممبر سے بیزار تھے اور اس بار پپو سے جان چھڑانے کے لیے اس کے مقابلے میں ایک ادھیڑ عمر خاتون کو مقابلے کے لیے کھڑا کیا گیا ہے۔ گاؤں والے کہتے ہیں کہ اگر وہ مقابلہ جیت جاتا ہے تو ایک خاتون سے مقابلہ جیت چکا ہوگا اور اس سے اس کی کوئی مشہوری نہیں ہوگی اور اگر وہ خاتون سے مقابلہ ہار جاتا ہے تو پپو کے لیے اس سے زیادہ شرم کی بات کیا ہو سکتی ہے؟ میں نے تجویز پیش کی کہ اگر کوئی مجھے سننے کو تیار ہے تو میری گزارش یہ ہے کہ ہم بھی اپنے پپو (فیلڈ مارشل صاحب) کے مقابلے کے لیے ایک خاتون کو سامنے لائیں۔ فاطمہ جناح کا نام ہمارے اس اجلاس میں بھی پیش ہوا۔ بنیادی طور سے فاطمہ جناح کا نام باچا خان نے پیش کیا تھا مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ وہ اس تجویز کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں جس کے جواب میں کہا گیا کہ اگر تمام سیاسی جماعتوں کی یہ رائے ہے کہ وہ بہترین امیدوار ہیں تو پھر بھاشانی صاحب کو چاہیے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو مجبور کریں اور سب مل کر محترمہ کو الیکشن کے لیے آمادہ کریں۔ میں نے مذاق میں بھاشانی صاحب سے کہا کہ کسی وقت تو آپ بھی مسلم لیگ کے صدر تھے اپنے ساتھیوں کو اعتماد میں لے لیں۔ بھاشانی صاحب نے اس کام کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کی کہ میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔ میں نے جرگے کی موجودگی میں بھاشانی صاحب سے کہا کہ اگر فاطمہ جناح قوم کی یہ گزارش قبول کر کے صدارت کے لیے امیدوار بن جائے تو میں اپنے ساتھیوں کی جانب سے آپ کے توسط سے فاطمہ جناح کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ قوم کے ساتھ رابطے کا آغاز پشاور سے کریں۔ میں نے کہا کہ یہ بات میں اس لیے کر رہا ہوں کہ ملک بھر میں یہ واحد جگہ ہے جہاں حکومت مخالف سیاسی قوت مضبوط ہے اور اگر فاطمہ جناح کے ذریعے جمہوریت کا یہ کارواں یہاں سے ہم منظم اور مستحکم طریقے سے متحرک کریں تو اس کا دوسرے صوبوں پر بھی مثبت اثر پڑے گا اور کارکنوں کے حوصلے اور عزائم بھی بڑھ جائیں گے۔

فاطمہ جناح کی صوبہ سرحد آمد

چند دن بعد مرکزی محاذ کا ایک اجلاس کراچی میں ہوا اور اس کے بعد اعلان کیا گیا کہ فاطمہ جناح متحدہ حزب اختلاف کی طرف سے فیلڈ مارشل کے مقابلے میں صدارتی انتخاب لڑے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اعلان کیا گیا کہ محاذ نے اپنا پہلا عام جلسہ پشاور میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہم نے کارکنوں کے ساتھ رابطہ قائم کیا اور تاریخوں کے اعلان کے انتظار میں تیاریاں شروع کیں اس میں کافی دن بیت گئے۔ متحدہ محاذ کا پشاور کو آنے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ ایک دن ایک ریٹائرڈ سرکاری افسر آئے۔ اس نے مجھے کہا کہ مرکزی مسلم لیگ کی طرف سے یہ دوسرا شخص آ رہا ہے اور حال احوال معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس نے کہا پہلے تو میری ملاقات اس کے ساتھ نہیں ہوئی تھی اور اب جب دوسری بار آیا ہے تو میری ملاقات ہوگئی ہے۔ اس نے کہا کہ مسئلہ یہ پیش ہے کہ خودغرض لوگوں نے فاطمہ جناح اور کونسل مسلم لیگ کے راہنماؤں سے کہا ہے کہ پشاور میں تو دیگر سیاسی پارٹیوں کی سرے سے قوت ہی نہیں ہے وہاں تو صرف نیشنل پارٹی ہے اور وہ بھی قدیم خدائی خدمت گاروں پر مشتمل ہے جو مسلم لیگ کے ساتھ بنیادی اختلافات رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ قیام پاکستان کے بعد، ان کی وزارت توڑنے سے لے کر قیوم خانی دور کے مظالم، گھروں کو لوٹنے، ان کو جیلوں میں ٹھونسنے، جائدادوں کی ضبطی، چاردیواریوں اور کارکنوں کی بےعزتی اور ہتک اور سب سے بڑھ کر بابڑہ کے قتل عام کی شکل میں ان لوگوں کے خلاف ایسی کارروائیاں ہوئی ہیں جن کو پشتون کب بھلا سکتے ہیں۔ ان لوگوں نے فاطمہ جناح سے کہا ولی خان آپ لوگوں کے ساتھ چالبازی کر رہا ہے اور درحقیقت انہوں نے آپ اور آپ کے ساتھیوں کے خلاف مظاہرہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور آپ ایسی صورت حال سے اپنے آپ کو بھاگ کر بھی محفوظ نہیں کر سکیں گے اور اس خوف کی وجہ سے وہ اپنا ایک نمائندہ پشاور کو بھیج رہے ہیں تاکہ صورت حال کا جائزہ لیں۔ مذکورہ افسر نے مجھے بتایا کہ میں نے اس کو کافی حد تک مطمئن کیا ہے۔ میں نے اس کو کہا کہ یہ درست ہے کہ ان پر مظالم ہوتے ہیں، ان کی بےعزتیاں ہوتی ہیں۔ جو کچھ ان کو بتایا گیا ہے اصل مظالم کی داستان اس سے بھی طویل ہے تاہم یہ بااصول لوگ ہیں، منظم اور بااخلاق لوگ ہیں اور جب انہوں نے آپ لوگوں کو مدعو کیا ہوا ہے تو پشتون اپنے مہمانوں کی عزت افزائی کرتے ہیں۔ اس نے مجھے کہا کہ میں نے ہر ممکن تسلی ان کو دی ہے۔

اطلاع پہنچی کہ مرکزی تنظیم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس عام جلسہ کی صدارت ولی خان کریں گے۔ میں نے کہا کہ محاذ میں اور بھی گروپ اور جماعتیں ہیں جو زیادہ قوت اور ساتھی نہیں رکھتے ہیں۔ ہم تو ویسے بھی آپ کے ہیں اس لیے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹی سیاسی جماعتوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور اس جلسہ عام کی صدارت کا اعزاز ان کو دیا جائے۔ میں نے جس اخلاص، نیک نیتی کے ساتھ سیاسی نکتہ نگاہ سے یہ تجویز دی تھی اس کا اثر الٹا ہوا۔ مسلم لیگ کے

راہنماؤوں کا یہ یقین پختہ ہوگیا کہ ولی خان کا جلسے کی صدارت سے انکار کرنا اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ سچ مچ اس موقع پر شرارت کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں اس حقیقت حال سے واقف نہ تھا۔ میرا تو خیال تھا کہ چھوٹی اور کمزور سیاسی جماعتیں کہیں گی کہ چونکہ ان کو یہاں قوت حاصل ہے اس لیے صرف اپنے آپ کی عزت افزائی پسند کرتے ہیں۔ بہر حال مجوزہ جلسہ عام التوا میں پڑا رہا۔ اس دوران سردار شوکت خان تشریف لائے۔ انہوں نے کہا کہ مرکزی تنظیم نے مختلف جلسوں کے سلسلے میں صدارت کے فیصلے بھی کیے ہیں اور پشاور میں جلسے کی صدارت نیشنل عوامی پارٹی کو دی گئی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ تو مقامی مسئلہ ہے۔ اس میں مرکزی تنظیم اتنی دلچسپی کیوں رکھتا ہے۔ میں نے مزید کہا کہ یہ ہماری اپنی خواہش ہے کہ صدارت کوئی اور جماعت کر لے۔ جب سردار صاحب کو اندازہ ہوگیا کہ میں صدارت کے لیے تیار نہیں ہوں تو اس نے کہا کہ فاطمہ جناح نے مجھے کہا ہے کہ ولی خان سے کہہ دو کہ اگر آپ خود جلسے کی صدارت نہیں کریں گے تو میں اس جلسے میں سرے سے شرکت ہی نہیں کروں گی۔ مجھے کہنا پڑا کہ سردار صاحب میں آپ کا تابعدار ہوں۔

فاطمہ جناح کے آنے کا دن مقرر ہوا۔ عمومی طور سے پاکستان کے مختلف علاقوں اور خصوصاً پنجاب سے کافی تعداد میں لوگ جلسے سے ایک دن پیشتر پشاور پہنچ چکے تھے۔ فاطمہ جناح اور اس کے دیگر ساتھی ہوائی جہاز میں پہنچے۔ بے شمار لوگ ہوائی اڈے پر ان کو خوش آمدید کہنے کے لیے موجود تھے اور ان کے حق میں نعرے لگائے جا رہے تھے۔ ہمارے کارکن اس بات سے باخبر تھے کہ مسلم لیگی راہنما ہمارے بارے میں شک اور تشویش سے دوچار ہیں کہ یہاں پر نیشنل پارٹی فاطمہ جناح کے خلاف مظاہرہ کرے گی اس لیے ہم نے اپنے کارکنوں کو یہ ہدایت دینا مناسب جانا کہ اپنے ساتھ لال جھنڈے لے کر آنا۔ اس سے یہ دکھانا اور ظاہر کرنا مقصود تھا کہ مسلم لیگ کے راہنماؤں کو یہ معلوم ہو جائے کہ استقبال اور خوش آمدید کے لیے آئے ہوئے لوگوں کا تعلق نیشنل پارٹی کے ساتھ ہے اور دوسری بات یہ کہ حکومت کا دل بھی اس وجہ سے پھٹ جائے گا کہ نیشنل پارٹی تو اپنے ساتھ بہت ساری ناروا کاروائیوں کے باوجود جمہوریت کے لیے اس قافلے میں فاطمہ جناح کا ساتھ دے رہی ہے۔ یہ ہر لحاظ سے ایک تاریخی استقبال، ایک تاریخی جلوس اور تاریخی جلسہ تھا۔ ہر سمت تا حد نگاہ ایک سرخ سیلاب اُمڈ آیا تھا۔ خصوصی طور سے جلسے کے دوران ہمارے اس وقت کے سیکرٹری افضل بنگش نے ایک ایسا پروگرام ترتیب دیا تھا کہ جیسے ہی فاطمہ جناح تقریر کے لیے کھڑی ہوگئیں اور حاضرین نے تالیاں بجانا شروع کیں ہمارے کارکنوں نے اپنے سرخ جھنڈے بلند کیے۔ کننگم پارک کا عظیم الشان چمن، ملحق سڑکیں اور پیچھے ریل کی پٹڑی تک صرف انسانی سر نظر آ رہے تھے اور جب جھنڈے بلند کیے گئے تو یہ ایک خوفناک سرخ سیلاب نظر آ رہا تھا۔ سرخ رنگ کی اپنی بھی یہ خاصیت ہے کہ یہ آنکھوں کے اندر اپنے لیے جگہ پیدا کرتا ہے۔ اور پھر اتنی بڑی تعداد میں اور اس جوش و جذبہ کے ساتھ سرخ رنگ درحقیقت انقلاب کی علامت بن جاتا ہے۔

میرا اپنا خیال ہے کہ جس رنگ کا جلسہ ہم نے ترتیب دیا تھا اس کے مقابلے میں تقریروں کا معیار بہت ہی کمزور رہا۔ چودھری محمد علی بے چارے تو کچھ نہ کہہ سکے۔ میں جلسے کی صدارت کر رہا تھا اور میرا اندازہ تھا کہ جلسے کے باوجود ان راہنماؤں کو یہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ مظاہرہ نہیں ہوگا۔ اور جب سرخ جھنڈے بلند ہوئے اور کارکنوں نے ان کو لہرانا شروع کیا تو یہ راہنما خوفزدہ معلوم ہو رہے تھے مگر جب جلسہ خیر و عافیت اور نظم وضبط کے ساتھ اختتام کو پہنچا تو ہر ایک راہنما نے دوسرے سے بڑھ کر مبارکبادیں دیں اور تعریفیں کرنے لگے۔ خواجہ ناظم الدین نے مجھے اپنے ساتھیوں کے سامنے کہا کہ میں نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے ایسا منظم اور پرجوش، استقبال اور جلوس نہیں دیکھا اور نہ ہی ایسا منظم اور باترتیب اور خاموش جلسہ دیکھا ہے۔

فاطمہ جناح یونیورسٹی ٹاؤن میں سردار عبدالرشید کے گھر میں قیام پذیر تھیں۔ وہ بھی استقبالی جلوس اور جلسے سے خاصی متاثر ہو چکی تھیں اور باتوں باتوں میں مجھ پر واضح کیا کہ مجھ کو ماضی کی تلخیاں بھلانی چاہیے اور نئے دور کے تقاضوں کے مطابق راستہ ہموار کرنا چاہیے۔ دوسرے راہنما مختلف گھروں میں رہائش رکھے ہوئے تھے۔ ایک میزبان کی حیثیت سے میں نے ان میں سے ہر ایک کے پاس جانے کو اپنی ذمہ داری سمجھا اور جس طرح بھی تھا ان کو احترام پیش کرنے کے لیے گیا۔ خواجہ ناظم الدین قیوم خان کے گھر میں رکے ہوئے تھے۔ قیوم کے گھر جانا میرے لیے ایک مورچے پر چڑھائی کے مترادف تھا بہرحال حوصلے سے کام لے کر میں وہاں بھی گیا۔ خواجہ صاحب کے ساتھ قیوم خان اور شمس الحق دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ خواجہ صاحب نے استقبال، جلوس اور جلسے کی تعریف کی پھر اس کی سیاسی قوت، اہمیت اور تنظیم پر تبصرہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ بذات خود میں اس سے اتنا متاثر ہوا ہوں کہ میں نے اس صوبے کے مسلم لیگ کے صدر سے کہا ہے کہ اس کے بعد تمام سیاسی مسئلوں پر ولی خان کے ساتھ مشورہ کرو گے۔ اگر مجھ تک رسائی نہ بھی ہو سکے کوئی بات نہیں تاہم ولی خان جس طرح مشورہ دے اس پر عمل کریں۔ میں نے کہا کہ ہم بھی یہ کوشش کر رہے ہیں کہ جمہوریت کے اس کاروان کو قوت اور طاقت فراہم کریں۔ میں نے کہا کہ آپ کو مسلم لیگ کے راہنماؤں کو یہ احساس کرنا چاہیے کہ ان کی کوتاہیوں کی وجہ سے اختیار نوکر شاہی کے ہاتھوں میں آ گیا ہے اور اب تو یونیفارم والی نوکر شاہی یعنی فوج کو سونپا گیا ہے۔ اب یہ ایک موقعہ ہمارے ہاتھ آ گیا ہے کہ ہم سیاسی کارکن سنجیدگی کے ساتھ اس بات پر غور کریں کہ متحد ہو کر ملک، قوم اور عوام کو ان سے چھینا گیا اقتدار واپس دلا دیں۔ میں نے کہا کہ تمام سیاسی پارٹیوں میں سب سے زیادہ ذمہ داری مسلم لیگ پر عائد ہوتی ہے کیونکہ اقتدار انہی کی وجہ سے عوام کے ہاتھوں سے نکل گیا ہے۔ ہمارا اس کے سوا کوئی غرض و مقصد نہیں کہ فرنگی سے حاصل کی گئی آزادی کا پھل اپنے بچوں کے ہاتھوں میں دے دیں اور اقتدار قوم اور عوام کو واپس دلا دیں۔ خواجہ صاحب نے میرے ساتھ اتفاق کیا اور کہا کہ انشا اللہ اب مل کر اس نیک

مقصد کے لیے کام کریں گے اور کہا کہ آپ کا تعاون اس سلسلے میں درکار ہوگا۔ میں نے کہا کہ ہم تو تابعدار ہیں۔ میں نے مزید کہا کہ اس دن ہم نے جو لال جھنڈے بلند کیے تھے وہ اس لیے ہرگز نہیں تھے کہ ہم آپ کو مرعوب کریں بلکہ ہمارے دو مقاصد تھے ایک تو ہم حکومت پر یہ واضح کرنا چاہتے تھے کہ مسلم لیگ سے ہمارے گلے اور شکایات ضرور ہیں اور مسلم لیگ نے پشتونوں کے ساتھ جتنی بھی زیادتیاں کیں ہیں وہ اپنی جگہ مگر آج جب جمہوری حقوق کے لیے ایک سیاسی حرکت ہو رہی ہے تو ہم پورے اخلاص اور جوش و جذبہ کے ساتھ اس تحریک میں سرکار کا مقابلہ کرنے کے لیے شامل ہو رہے ہیں۔ دوسرا مقصد ہمارا یہ تھا کہ دیگر سیاسی رہنماؤں پر عمومی طور سے اور مسلم لیگ کے راہنماؤں پر بطور خاص یہ بات واضح کریں کہ ہم کچھ سیاسی اصول رکھتے ہیں کچھ نظم وضبط رکھتے ہیں اور اگرچہ مسلم لیگ کی حکومت اور راہنماؤں نے ہمارے ساتھ ایسی بے جواز زیادتیاں کیں ہیں جو فرنگی نے بھی ہمارے ساتھ نہیں کیں تھیں مگر آج ملک کی سیاست اور جمہوریت کی بحالی کے لیے جو تحریک چلائی جارہی ہے اس میں ہم مسلم لیگ کے ساتھ مل کر مورچہ زن ہو گئے ہیں۔ خواجہ ناظم الدین نے بہت اخلاص، توجہ اور محبت کے ساتھ میری باتوں کی تائید کی۔ انہوں نے کہا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ اس تعارف میں مزید اضافہ ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ میں دل سے چاہتا ہوں کہ آپ تھوڑا اور ہمارے قریب آجائیں۔ میں نے کہا کہ جناب آپ کی دعوت کے بغیر اس کو اپنا قومی فرض سمجھتے ہیں اور آگے جا کر بھی یہی کوشش جاری رکھیں گے۔ خواجہ صاحب اپنی اس بات کا تکرار کیے جارہا تھا کہ تھوڑا اور قریب آجاؤ۔ میں نے ایک دوبار ان کی اس تکرار کو نظر انداز کر دیا مگر ان کے بار بار اصرار کے بعد میں نے کہا کہ خواجہ صاحب مسلم لیگ نے ہمارے ساتھ جو بھی سلوک روا رکھا ہوا ہے اس کو ہم نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ میں نے کہا باقی سب کچھ چھوڑ کر، جب میں آپ کے قریب آتا ہوں اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہوں تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ میں ان چھ سو شہیدوں کے سروں کے اوپر آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں جو اس قصاب (میں نے قیوم خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) کے ہاتھوں بابڑہ کے میدان میں قتل کیے گئے تھے۔ جنگ آزادی کے غازی، ملک کی آزادی کے مجاہد صرف اس لیے بھونے گئے تھے کہ وہ اپنے آزاد ملک میں اپنے لیے بنیادی، انسانی اور جمہوری حقوق کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اور اپنے گرفتار شدہ راہنماؤں کی گرفتاری کے خلاف احتجاجی جلسہ کر رہے تھے۔ میں جس وقت بابڑہ کے شہیدوں کے قصاب کا تذکرہ کر رہا تھا تو قیوم خان اور شمس الحق فوراً کمرے سے نکل گئے اور گھر چلے گئے۔ خواجہ صاحب اٹھے اور مجھ کو گلے لگا لیا۔ وہ بری طرح ہل رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میرا ایسی باتیں کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ آپ کو جذباتی کروں۔ میں نے کہا کہ خواجہ صاحب میں بالکل جذباتی نہیں ہوا ہوں۔ میں بالکل مستحکم ہوں۔ آپ کے ساتھ تعاون کا ہمارا فیصلہ جذبات پر مبنی نہیں ہے اچھی طرح سوچ سمجھ کر ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے اور آپ یہ تسلی رکھیں کہ آپ کے ساتھ

ہمارا تعاون خلوص پر مبنی ہوگا اور ہم اس کو جاری رکھیں گے۔ جس طرح ہم نے استقبال، جلوس اور جلسے میں اس کا مظاہرہ کیا۔ میں اپنی طرف سے خواجہ صاحب کو اچھی طرح مطمئن کر کے وہاں سے رخصت ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ پشاور کے اس عظیم مظاہرہ نے ایک طرف کارکنوں کو نیا حوصلہ اور عزم دیا اور دوسری طرف پاکستان کے دیگر علاقوں، خاص طور سے پنجاب سے آئے ہوئے لوگوں اور کارکنوں پر اس کا بہت ہی مثبت اثر ہوا اور ہمارا یہ مقصد حاصل ہوگیا کہ مرکزی حکومت پر یہ بات عیاں کریں کہ اگر ایک بار فاطمہ جناح کی سربراہی میں جمہوریت کا یہ قافلہ پوری قوت اور توانائی کے ساتھ چل پڑا تو انشاءاللہ باقی ملک پر بھی اس کا اچھا اثر پڑے گا۔ دوسری طرف اس مظاہرے نے حکومت وقت کو بھی حیران و پریشان کر دیا کیونکہ ان کو جو رپورٹیں ملی تھیں ان کے مطابق مسلم لیگ کے ساتھ تو دیگر پارٹیاں تعاون کر سکتی تھیں مگر خدائی خدمت گار کبھی بھی خلوص اور جوش و جذبہ کے ساتھ مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کے لیے تیار نہ ہوگی۔

تو فیلڈ مارشل کی کنونشن مسلم لیگ کے جائزہ کی پہلی غلطی اور کمزوری ان پر آشکارہ ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کی اطلاعاتی ادارے اپنے لیڈروں اور افسران بالا کو اس قسم کی معلومات اور اطلاعات فراہم کرتی ہیں جن کی وہ خواہش رکھتے ہیں اور جن کو سن کر وہ خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور پھر جب ملک میں تحریر اور تقریر پابند سلاسل ہو، جلسے اور جلوس نہ ہوں، اخبارات پر سنسر کی پابندی عائد ہو تو عوام کے حقیقی احساسات و جذبات کب، کس طرح اور کیسے منعکس ہو سکتے ہیں۔ اور حکومت کس طرح عوامی احساسات سے واقف ہو سکتی ہے جب کہ ان کا سارا دارومدار سرکاری اداروں کے جعلی معلومات پر مبنی ہوتا ہے اور محکموں کے نچلے افسران اعلیٰ افسران کو خوش رکھنے کے لیے ان کے مزاج اور طبعیت کے مطابق ڈائریاں فراہم کرتے ہیں۔

ہم نے ایک بڑے جلوس میں فاطمہ جناح کو پنجاب روانہ کیا۔ سڑک کے کناروں پر ہزاروں کی تعداد میں لوگ کھڑے تھے، دروازے بنائے گئے تھے۔ سلامیاں دی جا رہی تھیں۔ جمہوریت کے اس کاروان کو پشتونوں نے ایک شان اور دبدبہ دیا۔ پنجاب بھی حرکت میں آ گیا۔ ہم نے فاطمہ جناح کو اٹک کے پل پر پار کرایا اور پنجاب کے لوگوں اور کارکنوں کے حوالے کیا۔

صدارتی انتخابی مہم

صدارتی انتخابی مہم کے بارے میں ہمارا خیال درست ثابت ہوا۔ صوبہ سرحد کے اس عظیم مظاہرے کا اثر پنجاب کے ان راہنماؤں پر ہوا جو فاطمہ جناح کے ہمراہ آئے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ سینکڑوں کی تعداد میں کارکن بھی اچھے خاصے متاثر ہوئے جس کے نتیجہ میں انہوں نے اپنی کوشش اور جدوجہد میں مزید تندی پیدا کی۔ پنجاب

کی عوام کی یہ ایک خاصیت بھی ہے کہ وہ حرکت میں نہیں آتے ہیں مگر جب اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو خوب جم کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

یہ تو فاطمہ جناح کا تعارفی دورہ تھا تا کہ وہ لوگوں کو اور لوگ اس کو دیکھیں لیکن صوبہ سرحد کے کامیاب دورے کے بعد پنجاب کے کامیاب دورے نے فیلڈ مارشل اور اس کی کنونشن مسلم لیگ کو ہراساں کر دیا۔ ان کو اندازہ ہو گیا کہ سرکاری محکموں اور خوشامدی درباریوں کے تمام اطلاعات غلط، یک طرفہ اور مبالغے پر مبنی تھیں۔ اس قومی حرکت کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مختلف سیاسی پارٹیوں کے مابین اتحاد کو استحکام حاصل ہوا، انہوں نے حوصلہ پایا، ان کے ارادے مضبوط ہو گئے اور درحقیقت ملک میں جمہوری عمل حرکت کرتا ہوا نظر آیا۔ آہستہ آہستہ سیاسی راہنماؤں کی تقریروں نے بھی اثر دکھانا شروع کیا۔ فوجی اور مارشلائی حکومت کی سخت گرفت کی وجہ سے جو سیاسی جمود پیدا ہو چکا تھا وہ ٹوٹ گیا اور حکومت کی پالیسیوں پر تنقید شروع ہوئی۔

ایک پشتو مثل ہے کہ ''جس نے کسی کا مکانہ دیکھا ہو اس کو اپنا مکا کابلی نظر آتا ہے'' فیلڈ مارشل اور اس کی پارٹی کا یہ پختہ یقین تھا کہ سیاستدانوں کو ہم نے میدان سے بھگا دیا ہے اور یہ کہ اپنی اصلاحات اور پالیسیوں کی وجہ سے قوم کو ان سے مایوس اور بدظن کیا ہوا ہے مگر اب وہ اپنی آنکھوں سے قوم کے بیدار ہونے کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ قوم اپنے لیڈروں کو سہارا دے رہی ہے۔ اس نئی صورت حال سے نمٹنے کے لیے ایک اور جائزہ لیا گیا اور یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوا کہ آیا ایوب خان اپنی فوجی تربیت اور روایات قائم رکھ سکے گا اور کنونشن مسلم لیگ کے راہنماؤں کو اپنے پیچھے لگا سکے گا۔ یا وہ اپنا صدارتی انتخابی مہم کو چلانے اور اقتدار پر اپنے آپ کو بحال رکھنے کے لیے مسلم لیگ کے راہنماؤں کے پیچھے پیچھے جا سکے گا اور ان کے تجربات اور کمالات سے فائدہ اٹھا سکے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ فیلڈ مارشل صاحب صدر کی حیثیت سے کنونشن مسلم لیگ کے راہنماؤں کو اپنی راہ پر تو نہ لا سکا مگر خود مقتدی بنا اور کنونشن مسلم لیگیوں کو امام بنا دیا اور ان کی راہنمائی میں ان کی پالیسی پر چل پڑا۔ مسلم لیگ نے سیکھا ہی کیا تھا؟ جب صدارتی مہم میں گرمی پیدا ہوئی تو سب سے پہلے فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دینے کی کوشش کی گئی اور اس نیک کام کی ابتدا کراچی سے کی گئی۔ کراچی میں چونکہ مہاجر اکثریت میں تھے اور مختلف مہاجر تنظیموں کے راہنما فاطمہ جناح کے حمایتی تھے لہذا ان کے خلاف پشتونوں کو اکسایا گیا۔ پشتون مہاجر فسادات کرائے گئے۔ ایسا کرنے میں حکومت کے دو مقاصد تھے۔ ایک فاطمہ جناح کی قوت کو نقصان پہنچانا تھا اور اتحاد کو توڑنا تھا اور دوسری یہ کہ پاکستان بھر میں صوبہ سرحد میں عظیم مظاہرے کی وجہ سے قومی سطح پر پشتونوں کی جو حیثیت بنی تھی ان فسادات کی وجہ سے ان کو بدنام کرنا تھا۔ حکومت کے لیے ایسا فسادات کرانا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ ایک تو مسلم لیگیوں کو اس کام پر عبور حاصل تھا اور مزید یہ کہ کراچی میں فیلڈ

مارشل کے اپنے بیٹے ایک بہت بڑے کاروبار کے مالک تھے۔ وہاں اپنے ملازموں کے ذریعے انہوں نے پشتونوں کو یہ تاثر دیا کہ چونکہ ایوب خان ایک پشتون ہے، صوبہ سرحد سے تعلق رکھتا ہے اس لیے مہاجر اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ جب نسلی فساد نے زیادہ خطرناک شکل اختیار کیا تو فاطمہ جناح نے مجھ کو کراچی بلوایا۔ میں کراچی گیا۔ پشتونوں کے ایک ایک ڈیرہ اور حجرے پر گیا۔ یہ میرے ساتھیوں اور کی ہمت اور برکت کا نتیجہ تھا کہ ہم فسادات کو قابو کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بہرحال مجھے اس بات کا پکا یقین ہو گیا کہ یہ فسادات فیلڈ مارشل صاحب کے صاحبزادوں اور مسلم لیگی راہنماؤں کے کہنے اور شرارت پر ہوئے تھے۔

مسلم لیگ (کنونشن) اور سرکاری اہل کاروں کی دوسری پالیسی یہ تھی کہ متحدہ محاذ میں نفاق پیدا کیا جائے۔ یہ تاثر پھیلانے کی کوشش کی گئی کہ ہمارے بعض ترقی پسند بھائی اور ساتھی اس لیے فیلڈ مارشل کا ساتھ دے رہے ہیں کہ اس نے چین کے ساتھ دوستی کی پالیسی اپنائی ہے اور چونکہ چین ایک سوشلسٹ ملک ہے اس وجہ سے ترقی پسند قوت کا یہ فرض ہے کہ سوشلسٹ ملک کے ساتھ دوستی کو استحکام دینے کی خاطر فیلڈ مارشل کا ساتھ دیا جائے۔ اس سلسلے میں ہمارے نکتہ نگاہ سے خطرناک بات یہ تھی اور ایسی اطلاعات پہنچ رہی تھی کہ مولانا بھاشانی جو نیشنل عوامی پارٹی کے صدر تھے بھی خفیہ طور سے فیلڈ مارشل صاحب کی حمایت کر رہے تھے اور یہاں تک کہ یہاں مغربی پاکستان میں بھی انہوں نے اپنے قابل اعتماد ساتھیوں کو خفیہ پیغامات کے ذریعے ایوب خان کی امداد کرنے کو کہا ہے۔ ہماری سمجھ سے یہ بات بالا تھی کہ متحدہ محاذ میں پھوٹ ڈالنے کے لیے یہ مخالفین کا پراپیگنڈہ تھا یا واقعی مولانا بھاشانی اپنی مرکزی مجلس عاملہ کے فیصلے کی خلاف ورزی کر رہے تھے اور ترقی پسندی کے بہانے سوشلسٹ فیلڈ مارشل کی حمایت پر آمادہ ہوا ہے۔

بہرکیف صدارتی انتخابی مہم زور اور شور کے ساتھ جاری تھی۔ عوام، کارکن، طالب علم، مزدور حرکت میں آ چکے تھے اور ہر ایک کو اندازہ ہو رہا تھا کہ اگر عوام کو ووٹ دینا پڑا تو فیلڈ مارشل کے جیتنے کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر یہاں تو معاملہ بنیادی جمہوریت کے اسی ہزار ممبروں تک محدود تھا مگر یہ بھی ایک احساس پایا جاتا تھا کہ اسی ہزار ممبران اس عظیم قومی سیلاب کا راستہ کیسے روک سکیں گے۔ وہ بھی تو اس قوم کے افراد ہیں۔ جب فاطمہ جناح مغربی پاکستان کے دورے کے سلسلے میں صوبہ سرحد کے دورے پر آئیں تو پہلے کی طرح وہ سردار عبدالرشید کے گھر پر قیام پذیر تھیں۔ ہم نے اس موقع پر تمام صوبے کا دورہ کرانے کا بندوبست کیا تھا۔ اس موقع پر ایک واقعہ کو اشارہ کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک بار جب میں سردار عبدالرشید کے گھر گیا۔ جملہ راہنما ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جس میں سردار شوکت حیات کی پہلو میں میں بیٹھ گیا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ وہ وزارتوں کی تقسیم میں لگے ہوئے تھے۔ میں نے خاموشی میں شوکت حیات سے دریافت کیا تو اس نے میرے اندازے کی تائید کی۔ اس نے کہا کہ فاطمہ جناح نے

فیصلہ کیا ہے کہ سرحد سے وزارت کا فیصلہ ولی کرے گا باقی اختیار آپ لوگوں کا ہے۔ شوکت حیات نے کہا کہ صوبہ سرحد سے آپ کو مرکزی وزارت میں لیا جائے گا۔ اس وقت نیشنل عوامی پارٹی کی نمائندگی پارٹی کا جنرل سیکرٹری محمود الحق عثمانی کر رہا تھا۔ جب اس کو معلوم ہوا تو اس نے فاطمہ جناح سے کہا کہ اس بارے میں ولی خان کے ساتھ بات کرنی مناسب ہوگی۔ کیونکہ وہ آسانی کے ساتھ وزارت کے لیے تیار نہیں ہوگا مگر فاطمہ جناح نے بہت اعتماد سے کہا کہ یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں باقی اپنا اپنا کام کریں۔ میں نے شوکت حیات سے کہا کہ میرا معاملہ تو نظر انداز کریں۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ فیلڈ مارشل سچ مچ آپ کو حکومت حوالہ کر دے گا؟ میں نے کہا کہ پہلے تو وہ آپ کو انتخاب جیتنے نہ دے گا کیونکہ انتخابات میں دھاندلی کروانے کے لیے اس کے ساتھ مسلم لیگ (کنونشن) کے ماہر استاد موجود ہیں اور اب تو یہ واقع ہے کہ وہ صدارتی انتخابی مہم فوجی طریقے سے نہیں چلا رہا ہے بلکہ اس نے مسلم لیگی طریقہ اپنایا ہے اور جو نتیجہ سامنے آئے گا وہ ظاہر ہے۔ میں نے کہا کہ ہمارے جیتنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر انہونی بھی ہوئی تو اس صورت میں بھی فیلڈ مارشل حکومت چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ شوکت حیات نے چودھری محمد علی کو میرے خیال سے آگاہ کیا۔ اس نے یہ بات سنی تو بہت حیرت کے ساتھ میری طرف دیکھا اور کہا کہ ایسا ممکن نہیں ہے اور چودھری صاحب نے اس کے پہلو میں بیٹھے خواجہ ناظم الدین کو یہ بات سنائی۔ خواجہ صاحب نے تعجب کے ساتھ میری طرف دیکھا اور کہا کہ اس بات کا تو سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہر حال میرے خیالات تمام موجودہ راہنماؤں کو معلوم ہوئے اور ہر ایک نے میرے خیال کے ساتھ اتفاق نہیں کیا اور کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔

اگلے دن جب میں نئے پروگرام کو جاننے کے سلسلے میں سردار عبدالرشید کے گھر گیا۔ تو میں دوبارہ سردار شوکت حیات کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد فاطمہ جناح کے سٹاف آفیسر نے مجھے اشارہ کیا۔ میں اٹھا اور اس کے قریب ہوا تو انہوں نے مجھے کاغذ کا ایک پرزہ دیا۔ کاغذ کے اس ٹکڑے پر وہ خبر تھی جو ابھی ٹیلی پرنٹر سے لی گئی تھی۔ اس میں فیلڈ مارشل صاحب کی تقریر کا حوالہ تھا جو غالباً ایک دن قبل انہوں نے لائلپور (فیصل آباد) میں کیا تھا۔ اس کے الفاظ کچھ اس طرح کے تھے کہ اگر کوئی اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ میں اقتدار ان تخریب کاروں کے حوالہ کر دوں گا تو وہ بڑی غلطی پر ہیں۔ میں نے کاغذ شوکت حیات خان کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس نے کاغذ پر تحریر پڑھنے کے بعد میری طرف دیکھا اور پھر اس کو چودھری محمد علی کو دیا۔ انہوں نے خواجہ ناظم الدین کو دیا اور اس نے کاغذ واپس سردار شوکت حیات کو دیا۔

انتخابی مہم کے ذریعے ملک میں جو سیاسی عمل شروع ہو چکا تھا اس نے فیلڈ مارشل اور اس کے ساتھیوں کو خاصا پریشان کر دیا تھا۔ ایوب خان کو خوشامدی درباریوں اور سرکاری اداروں کے افسروں نے یہ تاثر دیا تھا کہ قوم اپنے

آپ کو آپ پر قربان کرنے کے لیے تیار ہے اور آپ کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہیں ہے مگر جب جلسوں اور جلوسوں کا آغاز ہوا تو وہ بھانپ گئے کہ قوم تو کسی اور راہ پر چل پڑی ہے۔ دوسری بات یہ کہ راہنماؤں کی تقریریں بھی اچھی ہونے لگیں جن میں قوم کو درپیش مسائل کا ذکر ہوتا تھا۔ جمہوری نکتہ نگاہ سے فوجی آمریت اور ڈکٹیٹر شپ پر اعتراضات ہونے لگے۔ جمہوری انسانی حقوق کو غصب کرنا، پریس کو مقدور کرنا اور قوم اور عوام کو ووٹ کے ذریعے اظہار رائے سے محروم رکھنا اور اس امانت کو صرف اسی ہزار بی ڈی ممبروں کو دینا ایسی بڑی بڑی باتیں تھیں جن کا تذکرہ تقریروں کے لیے اچھا خاصا مواد فراہم کرتا تھا۔ اقتصادی پالیسی پر بڑے اعتراض ہونے لگے۔ ماسوائے ان چند ایک ترقی پسندوں کے جو چین کے ساتھ دوستی نبھانے پر ایوب خان کا ساتھ دے رہے تھے باقی تمام جمہوری قوتیں اس بات اور حقیقت کو اجاگر کر رہی تھیں کہ ایوب خان کے دور میں ترقی کے فوائد صرف بائیس تئیس خاندانوں تک محدود ہیں اور باقی غریب مزید غریب ہوتے جا رہے ہیں اور ملک میں کارخانہ داروں، تاجروں اور افسروں کی ملی بھگت سے گرانی میں زبردست اضافہ ہو رہا ہے جو غریب کا جینا حرام کر رہا تھا۔ مسلم لیگ کے راہنماؤں کے لیے بھی گنجائش موجود تھی جن کی سیاست کا محور ہندوستان دشمنی ہے۔ یہ راہنما کیا کرتے کہ چین اور ہندوستان کے مابین جنگ کے دوران ایوب خان سے یہ ناقابل معافی کوتاہی ہوئی کہ اس نے اس جنگ سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس دوران کشمیر پر حملہ کرنا چاہیے تھا اور چونکہ اس نے کشمیر پر حملہ نہیں کیا اس لیے وہ نہ تو فوجی حکمرانی کا اہل ہے اور نہ ہی سیاسی حکمرانی کا حق رکھتا ہے۔

اگر ان اعتراضات کا جائزہ لیا جائے تو ان میں ہر ایک اعتراض قوم کے ایک یا دوسرے طبقے کے لیے کچھ نہ کچھ اپیل رکھتا تھا۔ کنونشن مسلم لیگیوں کا حوصلہ جواب دینے لگا۔ پہلے تو انہوں نے درباری اور سرکاری ملاؤں کو استعمال کرنا شروع کیا۔ انہوں نے انتخابی مہم میں اسلام کو گڈمڈ کر کے فتوی صادر فرمایا کہ اسلام کی رو سے کوئی خاتون ملک کا سربراہ نہیں بن سکتی اور اس وجہ سے فاطمہ جناح کو ووٹ دینا اسلام سے روگردانی کے مترادف ہے۔ بہر حال کاغذ کا وہ ٹکڑا فاطمہ جناح کے پاس لے جایا گیا اس نے کہا کہ اس کو پڑھ دیں، جب شوکت حیات نے خبر پڑھ کر سنائی تو فاطمہ جناح فوری اٹھی اور کہا کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ غصے کی حالت میں اپنے کمرے میں گئی اور کہا کہ میرے سیکرٹری کو میرے پاس بھیج دینا تا کہ میں اپنی لکھی ہوئی تقریر میں تبدیلی کر سکوں۔ باقی مجلس حیرت زدہ رہ گئی۔ خواجہ ناظم الدین نے شوکت حیات کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ تو وہی بات ہوئی جو کل یہاں ولی خان کر رہا تھا۔ یہ تو عجیب اتفاق ہے۔ شوکت حیات خان نے کہا خواجہ صاحب آپ اس ولی خان کو نہیں پہچانتے؟ اس کا فیلڈ مارشل کے ساتھ رابطہ ہے اور ولی خان ہی فیلڈ مارشل کو استادی اور شیطانی راستے دکھا رہا ہے۔ خواجہ صاحب نے بہت معصومیت کے ساتھ میری طرف دیکھ کر کہا کہ

نہیں جی ولی خان تو بہت شریف انسان ہے مگر شوکت حیات نے تو اس کے دل میں شک ڈال دیا بلکہ تمام مجلس کی توجہ میری طرف منتقل ہوگئی کہ کل ولی نے جو بات کی تھی وہ کس بنیاد پر کی تھی؟ آخر خواجہ صاحب نے مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا صاحب میں یہ دعویٰ تو نہیں کروں گا کہ میں زندہ ولی ہوں اور مجھے وہ کچھ نظر آ جاتا ہے جو عام لوگوں کو نظر نہیں آتا۔ بہرحال میں اتنا عرض کروں گا کہ وجہ بالکل واضح اور سادہ ہے۔ میں نے کہا کہ میری تمام سیاسی زندگی حزب اختلاف میں گزری ہے۔ حزب اختلاف کے بیدار لوگ حکومتی پالیسیوں، ان کی ذہنی کیفیت اور خواہشات کا زیادہ صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ بہ نسبت ان لوگوں کے جو کسی ایک یا دوسرے حکومتی عہدے پر رہ چکے ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کہ موجودہ حالت کو سمجھنا زیادہ آسان ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا فیلڈ مارشل صاحب کسی جمہوری اور سیاسی عمل کے نتیجے میں بادشاہ بن کر بیٹھ گیا ہے؟ وہ تو بندوق کے زور پر آ گیا ہے اور اسی طریقے سے وہ جا بھی سکتا ہے اور آپ لوگ اس طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیتے کہ منتخب آئین ساز اسمبلی کا بنایا ہوا ۱۹۵۶ء کا آئین اس نے بقلم خود منسوخ کر دیا، قومی انتخابات کو ملتوی کر دیا سیاسی پارٹیوں پر پابندی لگائی گئی اور اپنا شخصی آئین بنوا دیا، عوام سے ووٹ کا حق چھین لیا وہ حق جو فرنگی نے دیا تھا اس حق کو فیلڈ مارشل نے صرف اسی ہزار ممبروں کو دے دیا۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ اتنا بھی نہیں سوچ سکتے کہ کیا فیلڈ مارشل یہ تمام محنت آپ لوگوں کے لیے کر رہا تھا کہ وہ گھوڑے کو اپنی سواری کے لیے تیار کرے اور پھر آپ کو اس پر بٹھا دے۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ اتنے سادہ اور معصوم کیوں بن رہے ہیں؟

کشمیر کو حاصل کرنے پر لیڈر حضرات بہت زور دے رہے تھے۔ اس بات پر لوگوں کے جذبات میں اشتعال پیدا کیا جا رہا تھا۔ یہ بات بھی کہی جاتی تھی کہ ایوب خان امریکہ سے مجبور تھا اس لیے وہ کشمیر کو حاصل نہ کر سکا اور سرکاری اخبارات، وزراء، مشیر اور درباری حضرات تو ایسے نہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ مسئلہ کشمیر کے بارے میں تو فیلڈ مارشل صاحب کا نوجوان وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو تند اور گرم تقریریں کیا کرتا تھا۔ اس نے قوم کو بار بار یہ تسلی دی کہ آپ ایک بار فیلڈ مارشل کو ووٹ دیدیں تا کہ وہ صدر بن جائیں تو آپ کے ساتھ ہمارا یہ وعدہ ہے کہ کشمیر کا فیصلہ بھی کر لیا جائے گا۔ کنونشن مسلم لیگی کہا کرتے کہ اگر کشمیر حاصل کرنا مقصود ہے تو پھر فیلڈ مارشل کو ضرور اور لازمی اپنا ووٹ دیں کیونکہ جنگ کے لیے تو ایک خاتون بہت کمزور ثابت ہوگی۔

مگر ہر قسم کے فریب کے باوجود فیلڈ مارشل کی پارٹی کو احساس ہوگیا تھا کہ سیاسی میدان میں ہم یہ جنگ ہار چکے ہیں۔ مسلم لیگ تو جمہوری اور قانونی طور طریقوں کے علاوہ اور بھی بہت سارے کرتب استعمال کر سکتے تھے۔ پیسہ ان کے پاس بہت تھا۔ دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ جو کچھ خریدا جا سکتا تھا اس کو خریدا گیا اور باقی کے لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ سرکاری افسر اپنا اثر ورسوخ استعمال میں لائے۔ جس طرح بھی انتخابات کو جیتنا چاہیے تھا۔ فاطمہ جناح جب آخری

بار پشاور آئی تھی تو ووٹوں کے دن کے انتظام کیلیے پولنگ ایجنٹوں کی تقرری کے کاغذات پر اس کی دستخطوں کی ضرورت تھی۔ میں نے جب وکیلوں اور ایجنٹوں کی فہرست فاطمہ جناح کی سیکرٹری کو فراہم کی تو اس نے مجھ سے کہا کہ دیگر گروپوں سے بھی فہرستوں کے لیے انتظار کر لیتے ہیں پھر اس کی تقسیم کریں گے۔ میں نے کہا کہ ہماری طرف سے یہ فہرست اپنے پاس رکھو تاہم تمام کے تمام ایجنٹ ان پارٹیوں سے لے لو ہمارا اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ میں نے کہا کہ میرا خیال ہے آپ لوگ ابھی تک غلط فہمی سے نہیں نکلے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں آپ کو یہ تسلی دیتا ہوں کہ میں نے جن وکلاء اور ایجنٹوں کی فہرست آپ کو دے دی ہے اس میں کم سے کم وہ وکلاء اور ایجنٹ جن کو ایجنسیوں، ریاستوں اور مرکز کے تابع علاقوں میں تعینات کیا جائے گا ان میں سے ایک بھی اپنے مقررہ مقام تک نہیں پہنچ سکے گا۔ کیوں؟ اس نے پوچھا۔ میں نے کہا سرکار ان کو پکڑ لے گی اور ان کو جیلوں میں ڈال دیا جائے گا۔ وہ مجھے فاطمہ جناح کے ہاں لے گیا۔ اس نے پوچھا، تو پھر یہ کیسے الیکشن ہو رہا ہے۔ میں نے کہا یہ فیلڈ مارشل کی کنونشن مسلم لیگ کا انتخاب ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہمارا ایک بھی ایجنٹ ان علاقوں تک نہیں چھوڑا گیا۔ ووٹوں کے بعد ان کو رہا کر دیا گیا۔

اس صدارتی انتخاب کے بارے میں صرف ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ ان علاقوں میں کس طرح کا الیکشن ہوا تھا۔ مالا کنڈ ایجنسی میں میرا ایک آشنا تھا۔ ایک دن وہ گھبرایا ہوا آیا۔ مجھے کہا کہ میرا فرزند کالج سے آیا ہوا ہے کہتا ہے کہ بابا آپ بنیادی جمہوریت کے ممبر ہیں میرے ساتھ آپ کو وعدہ کرنا ہوگا کہ آپ اپنا ووٹ فامہ جناح کو دیں گے۔ کہا کہ میں نے مزاحمت کی اور اپنے فرزند سے پوچھا کہ یہ بتا تم میرے باپ ہو یا میں آپ کا باپ ہوں جو آپ مجھے ووٹ دینے کے لیے ہدایت دے رہے ہیں؟ رات اس نے اپنی والدہ سے بھی کہا ہے کہ والد کو میرے ساتھ وعدہ کرنا ہوگا کہ وہ اپنا ووٹ فاطمہ جناح کو دے گا اور ان کو مجھے اس بات کی ضمانت بھی دینا ہوگا اور یہ ضمانت ولی خان دے گا ورنہ۔۔ ورنہ کیا؟ میں نے پوچھا۔۔ کہا کہ لڑکے کی ماں کہتی ہے کہ بصورت دیگر ہمارا فرزند اپنے آپ کو شوٹ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے کہا کہ ہمارا ایک ہی بیٹا ہے۔ اس کی ماں بیچاری تو مر رہی ہے۔ کوئی طریقہ نکالو۔ میں نے کہا کہ نوجوان کو میرے پاس لے آؤ اور اگر آپ اس کے ساتھ وعدہ کرتے ہیں تو میں ضمانت دے دوں گا۔ اگلی صبح نوجوان آیا۔ میں نے اس کو تسلی دی اور وہاں سے واپس کالج روانہ کر دیا۔ میں نے اپنے آشنا سے کہا کہ میرے بھائی آپ نے بھی جھوٹ بولا اور میں نے بھی محض آپ کی بیگم کی خاطر اس لڑکے کو مبنی بر جھوٹ ضمانت دے دی۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ اپنا ووٹ فاطمہ جناح کو نہیں دے رہے ہیں، اس نے کہا میں بالکل اپنا ووٹ دوں گا۔ میں نے کہا کہ سرکار کب آپ کو ووٹ دینے کی اجازت دے گی۔ ہم نے اس پر کافی بحث کی اور آخر کار اس نے سو سو روپے کی شرط رکھ دی اور وہاں سے چلا گیا۔ ووٹوں کے دن میرا آشنا تقریباً شام کے وقت لوٹ آیا۔ موٹر سے

اترا اور ہاتھ میں سو روپے کا نوٹ پکڑے ہوئے تھا۔ میرے پاس آیا اور کہا کہ اپنی یہ شرط لے لیں۔ میں نے کہا کہ بھائی آپ تو بغیر کسی تکلیف کے شرط ادا کر رہے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بھی گالیاں دے رہا تھا، ممبروں کو بھی برا بھلا کہہ رہا تھا اور ایجنسی آفیسرز کو بھی گالی گلوچ دے رہا تھا۔ کہانی سناؤ، میں نے زور دے کر کہا۔ اس نے بتایا کہ ہمارے علاقے کا پولنگ سٹیشن خاص مالا کنڈ میں تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو تحصیل دار صاحب اور دیگر افسر کھڑے تھے۔ جب میری شناخت وغیرہ ہو گئی اور ووٹ کا پرچہ دیا گیا تو میں قلعے کے اندر ووٹ ڈالنے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا مگر تحصیل دار صاحب نے کہا کہ ووٹ مجھے دیدو اور آپ جا کر چائے پی لیں۔ میں نے کہا ووٹ ڈال کر چائے پی لوں گا۔ تحصیل دار نے کہا کہ چائے تیار ہے مگر جب دوبارہ میں نے پہلے ووٹ ڈالنے کا کہا تو تحصیل دار نے بتایا کہ مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ جو ممبر ووٹ کی پرچی حوالہ نہ کریں وہ تو قلعہ کے اندر جائے گا مگر ووٹ بکس میں نہیں ڈال سکے گا وہ سیدھا حوالات میں جائے گا۔ میرے دوست نے مجھے بتایا کہ تحصیل دار کو سننے کے بعد میں نے اپنے ووٹ کی پرچی اس کے حوالے کر دی۔ دل میں کہا کہ ولی خان نے تو مجھے پہلے کہا تھا کہ ایسا ہو گا مگر میرے سو روپے کے نوٹ کی قضا کا وقت آ پہنچا تھا۔ یہ تھی فیلڈ مارشل صاحب کی بنیادی جمہوریت اور یہ تھا مسلم لیگ کا پرانا کھیل۔ لیگ نے فیلڈ مارشل کو بھی اس گندگی میں ہم نوا بنایا۔ شرف اقتدار انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتا ہے۔

مشرقی پاکستان سے جو خبریں پہنچ رہی تھیں اس سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہاں پر حکومت سیاسی پارٹیوں میں گھس گئی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ ایسی باتیں مولانا بھاشانی کے بارے میں سننے کو مل رہی تھیں کہ اس نے ایوب خان کے لیے بہت کام کیا تھا۔ میں نے جب یہ سنا تو مجھے بہت دکھ ہوا اس لیے کہ مولانا بھاشانی کی صدارت میں ہمارے گھر میں اور باچا خان کی موجودگی میں اور اس کی تجویز پر نیشنل عوامی پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ فاطمہ جناح ہماری طرف سے صدارت کے لیے امیدوار ہو گی۔ خواجہ ناظم الدین نے مجھے کہا کہ فاطمہ جناح بہت سخت تھی اور امیدوار بننے کے لیے آمادہ نہیں ہو رہی تھی مگر مولانا بھاشانی نے اس کو مجبور کر دیا۔ اس نے کہا کہ ہم فاطمہ جناح کے ساتھ اس مسئلہ پر بحث میں الجھے ہوئے تھے۔ اس اثناء مولانا بھاشانی اٹھے اور فاطمہ جناح سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ کے بھائی (محمد علی جناح) کے لیے مسلمانوں نے اپنے آپ کو تباہ کر دیا، وہ اپنے گھروں اور علاقوں کو چھوڑ گئے، ان کا قتل عام ہوا۔ مولانا نے کہا کہ قیامت کے روز میں آپ کے بھائی کو گریبان سے پکڑوں گا اور اس سے کہوں گا کہ آپ کی لٹی پٹی اور بے چاری قوم نے اپنے حقوق کے لیے جدوجہد شروع کی۔ میں آپ کی بہن کے پاس گیا کہ اس بے چاری قوم کی نمائندگی کرے مگر اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ مولانا اتنا جذباتی ہو گئے تھے کہ اچھے خاصے رونے لگے تھے۔ اس کے چہرے اور داڑھی پر آنسو راستہ بنانے لگے۔ اس نے کہا کہ فاطمہ جناح نے

مولانا کی یہ جذباتی تقریر سنی اور آپ کے چہرے مبارک پر آنسوؤں کا سیلاب دیکھا تو اس نے مولانا کو تسلی دی اور کہا کہ آپ لوگوں کا فیصلہ مجھے منظور ہوگا۔۔خواجہ ناظم الدین نے کہا کہ اگر مولانا بھاشانی نہیں ہوتا تو فاطمہ جناح کو ایوب خان کے مقابلے میں کھڑا کرنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔۔۔مگر اب ہم یہ سن رہے تھے کہ مولانا صاحب نے ایوب خان کا ساتھ دیا ہے۔